ایمان ــــــ اور اس کے ثمرات و مضمرات

سورۃ تغابن کی روشنی میں ــــ (۱)

ڈاکٹر اسرار احمد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ــــ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۝ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

(صدق اللہ العظیم)

ایمان کی بحث کے ذیل میں منتخب نصاب میں چوتھے نمبر پر سورۃ تغابن شامل ہے۔ اس سورت کے مضامین کی ترتیب اس اعتبار سے بڑی عجیب ہے کہ اس کے رکوع اوّل میں ایمان کے تینوں اجزاء صرف بیان (Narrate) ہوتے ہیں۔ استدلال کا پہلو یہاں بھی اگرچہ موجود ہے تاہم بہت خفی اور دوسرے رکوع میں ایمان کے بعض مضمرات اور مقدرات کو بھی کھول دیا جاتا ہے اور اس کے ثمرات کی وضاحت بھی کر دی جاتی ہے۔

چنانچہ رکوع اوّل میں سب سے پہلے خدا کی ہستی، اس کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال پر آیاتِ آفاقی کی شہادت کا اس پیرائے میں بیان ہوتا ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، اللہ کی تسبیح کر رہا ہے اور پھر اس کے مرتبہ و مقام اور اس کے بعض صفاتِ کمال خصوصاً قدرت

اور علم کا بیان ہے ـــــ پھر رسالت کے ذیل میں رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کے عذابِ الٰہی سے ہلاک ہونے کا بیان بھی ہے اور رسالت کے باب میں ان کی اصل گمراہی کا ذکر بھی ہے کہ انہوں نے بشریّت اور نبوّت و رسالت کو ایک دوسرے کی ضد خیال کیا[1] ـــــ اس کے بعد منکرین بعث بعد الموت کی شدّت کے ساتھ تردید اور قیامِ قیامت اور حشر و نشر اور جزا و سزا کا بیان اور اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اصل ہار جیت اور کامیابی و ناکامی کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا ـــــ اور آخر میں اللہ، رسول، کتاب اور آخرت پر ایمان کی پُرزور دعوت ہے۔

دوسرے رکوع میں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، ایمان کے مضمرات اور ثمرات کا بیان ہے۔ یعنی (۱) تسلیم و رضا (۲) اطاعت و انقیاد (۳) توکل واعتماد (۴) علائق دنیوی کی فطری محبت کے پردے میں انسان کے دین و ایمان اور آخرت و عاقبت کے لیے بالقوہ ـــــ (Potentially) خطرہ مضمر ہے اس سے متنبّہ اور چوکس و چوکنّا رہنا۔ البتہ یہ بھی نہ ہو کہ انسان گھر کو میدانِ جنگ ہی بنا ڈالے۔ اس کے برعکس بہتر ہے کہ عفو و درگذر کی روش اختیار کی جائے۔ (۵) تقویٰ (۶) سمع و طاعت اور (۷) انفاق فی سبیل اللہ جس کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔

اس طرح یہ سورت ایمان کے بیان میں نہایت جامع ہے کہ اس کے اجزائے ثلاثہ کی تفصیل بھی اس میں آگئی اور اس سے انسان کے نقطۂ نظر، طرزِ فکر اور ذہنی روش میں تبدیلی آنی چاہئیں اور اس کے طرزِ عمل اور معاملاتِ دنیوی میں اس کے عملی رویے میں جو انقلاب برپا ہو جانا چاہیے۔ اس کا بیان بھی آتا ہے۔ اس سورت کا دوسرا رکوع ایک کسوٹی ہے جس پر ہر انسان اپنے ایمان کو پرکھ کر دیکھ سکتا ہے کہ واقعتہً ایمان موجود ہے یا نہیں اور ہے تو کتنا اور کیسا؟

---

[1] اس مقام پر راقم اس حقیقت کو وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ اصل مرض ایک ہی ہے یعنی بشریّت اور نبوّت و رسالت کا ایک دوسرے سے استبعاد۔ جس کا ظہور ایک شکل میں اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ اس بنا پر رسول کی رسالت کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ تو بشر ہیں نبی یا رسول کیسے ہو سکتے ہیں اور دوسری طرف اسی مرض کا ظہور اس شکل میں ہوتا ہے کہ نبوت اور رسالت کا اقرار کر لینے والے نبی یا رسول کی بشریّت کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور خود ان کو ماوراء البشر قرار دے کر اُلوہیت کے مقام پر لا بٹھاتے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت ہمارے منتخب نصاب کا دوسرا حصّہ زیرِ درس ہے۔ پہلا حصّہ چار جامع اسباق پر مشتمل ہے[۱] جن میں انسان کی کامیابی اور گھاٹے اور خسارے سے نجات پانے، عذابِ الیم سے اس کے چھٹکارا پانے اور فوز و فلاح سے ہم کنار ہونے کی جو شرائط ہیں اور اس کے جو لوازم ہیں ان کا جامع طور پر بیان ہوا۔ اس کے بعد ان لازمی و ناگزیر شرائط میں سے اوّلین شرط یعنی ایمان سے متعلق ہمارے نصاب کا دوسرا حصّہ ہے اور اس ضمن میں پہلا مقام سورۃ آلِ عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی چھ آیات اور دوسرا مقام سورۂ نور کے پانچویں رکوع پر مشتمل ہے۔ پھر اسی رکوع کے ضمن میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کے دو ابتدائی رکوع بھی شامل ہیں۔ اب یہ سورۃ تغابن ہمارے منتخب نصاب کے دوسرے حصّہ کا تیسرا درس ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ایک دوسرے اعتبار سے اور دوسرے اسلوب سے پھر ایمان کے مباحث آئیں گے۔ اس سورت کے پہلے رکوع میں ایمانیات کی تفصیل ہے اور ان پر ایمان لانے کی دعوت ہے، نیز ایمانیات میں جو باہمی منطقی ربط ہے۔ اس کو یہاں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن خفی طور پر، اس پر یہاں زیادہ زور نہیں ہے۔ لیکن جب آپ غور کریں تو آپ کو وہ تمام مباحث اور استدلال جو پہلے دو مقامات (سورۃ آل عمران کے آخری رکوع اور سورۃ نور کے پانچویں رکوع) کے ذیل میں آتے ہیں، ان کے یہاں بھی شواہد ملیں گے۔ اور آپ ترتیب و تدریج کے اندر وہ استدلال یہاں بھی مضمر پائیں گے، لیکن یہاں اصلاً ایمانیاتِ ثلاثہ کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ اور ان پر ایمان لانے اور ان کو قبول کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے، اس سورۃ مبارکہ کا پہلا رکوع اسی مضمون پر مشتمل ہے۔ دوسرے رکوع میں اس ایمان کے جو نتائج نکلنے چاہئیں ان کا بیان ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایمان کے اثرات و ثمرات، اس کے مقدرات اس کے مقتضیات اور لوازم کا دوسرے رکوع میں ذکر ہے۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد انسان کی فکر میں، اس کی سوچ میں، اس کے نقطۂ نظر میں، اس کے احساسات

---

[۱] سورۃ العصر، سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۷
سورۃ لقمان کا دوسرا رکوع
، حٰمٓ السجدۃ آیات ۳۰ تا ۳۶ ،

میں، یہاں تک کہ علائق دنیوی کے بارے میں اور زندگی کے بارے میں، اس کے رد یہ در روش میں جو تبدیلی ایمان کے نتیجہ میں پیدا ہو جانی چاہیئے اس کو بڑی ہی جامعیت کے ساتھ دوسرے رکوع میں بیان کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اس سورۃ مبارکہ کا دوسرا رکوع ہمارے لئے بڑی ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اور ہم میں سے ہر شخص اپنے باطن میں جھانک کر یہ جائزہ لے سکتا ہے کہ آیا یہ کیفیات ہمارے قلب پر طاری ہوئی ہیں یا نہیں۔ اور آیا ہمارا یہ نقطۂ نظر بن چکا ہے یا نہیں! اس اعتبار سے گویا کہ ایمان کے ہونے یا نہ ہونے کے لئے ایک کسوٹی ہمارے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ جس پر ہر شخص اپنے آپ کو پرکھ سکتا ہے اور یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس کی فکر میں، اس کی سوچ میں، اس کے نقطۂ نظر میں تبدیلی واقع ہو چکی ہے یا نہیں کہ جو ایمان کے نتیجے میں لازماً پیدا ہو جانی چاہیئے ــــــ ابتداءً یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سورۃ مبارکہ ایک سلسلۂ سُوَر کی کڑی ہے۔ قرآن مجید میں دس مدنی سورتیں ہیں جو سورۃ حدید سے شروع ہو کر سورۃ تحریم پہ ختم ہوتی ہیں، یعنی ستائیسویں پارہ کی آخری سورۃ سے لے کر اٹھائیسویں پارہ تک تمام مدنی سورتیں ہیں۔ قرآن مجید میں مدنی سورتوں کا جو بڑا اجتماع ہے وہ تو قرآن مجید کے آغاز میں ہے۔ سورۃ بقرۃ، آلِ عمران، سورۃ نساء اور سورۃ مائدہ یہ طویل سورتیں مدنیات ہیں۔ جو سب ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں، ان سورتوں کے بعد قرآن مجید اکثر و بیشتر مکّیات پر مشتمل ہے۔ درمیان میں سورۃ توبہ (سورۃ براۃ) ایک سورۃ ملتی ہے۔ اور پھر بہت دور جا کر سورۃ نور مدنی ملے گی، پھر آگے سورۃ احزاب تنہا ملے گی، پھر آگے چھبیسویں پارے میں تین سورتیں (سورۃ محمد، سورۃ فتح، اور سورۃ حجرات) مدنی ملیں گی۔ اس کے بعد پھر سورۃ حدید سے سورۃ تحریم تک مدنی سورتوں کا ایک بڑا اجتماع ملتا ہے اور تقریباً سوا پارہ مدنیات پر مشتمل ہے۔ یوں سمجھیئے کہ جو حکمتِ قرآن ہے اس کے اعتبار سے یہ سورتیں انتہائی اہم ہیں اور ان میں بھی اکثر سورتیں وہ ہیں جو مدنی دور کے بھی نصف آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ اس دور میں جب کہ مسلمان ایک امت کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ وہ ابتدائی ادوار اور مراحل یعنی دعوت کا دور اور تنظیم کا دور اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جد و جہد کا ابتدائی دور گزر چکا تھا اور اب وہ دور شروع ہو چکا تھا کہ جس میں ایک اسلامی ریاست بھی وجود میں آچکی تھی۔ اور مسلمان امت بھی قائم ہو چکی تھی، نیز اس میں توسیع و وسعت کا آغاز ہو چکا تھا۔ بلکہ یوں سمجھیئے کہ اجتماعی طور پر امتِ مسلمہ۔ ایک حقیقت بن کر ابھر چکی تھی۔

لہٰذا اس دور میں گویا کہ اُمت کے لئے ان سورتوں میں آخری ہدایات دی گئی ہیں اور انتہائی جامع ہدایات دی گئی ہیں اور بہت سے پہلوؤں سے قرآن مجید کی دعوت کے نچوڑ اور عطر کو نکال کر ان سورتوں میں جمع کر دیا گیا ہے ـــــ ان دس سورتوں میں سے بھی پانچ سورتیں وہ ہیں کہ جن کا آغاز 'سَبَّحَ لِلّٰہِ یا یُسَبِّحُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے ان سورتوں کو مجموعی اور اجتماعی طور پر " اَلْمُسَبِّحَات " کہا جاتا ہے۔ سورۃ حدید، سورۃ حشر، سورۃ صف، سورۃ جمعہ اور سورہ تغابن ، یہ پانچوں سورتیں "المسبحات "کہلاتی ہیں۔ ان کا آغاز سَبَّحَ لِلّٰہِ یا یُسَبِّحُ لِلّٰہِ سے ہوتا ہے۔ تسبیح باری تعالیٰ کے ذکر سے چونکہ ان سورتوں کا آغاز ہوتا ہے لہٰذا ان کا نام" المسبحات" قرار پایا۔ ان میں پہلی سورۃ حدید ہے جو جامع ترین سورۃ ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ سورۃ اُمّ المسبحات ہے ۔ ان مسبّحات میں جو مضامین تفصیل کے ساتھ آئے ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان مضامین کی اساسات سورۃ الحدید میں جمع کر دی گئی ہیں. اور اگلی مسبّحات میں ہر اساس کی تفصیل و شرح بیان ہوئی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے منتخب نصاب میں ابتداء میں جو چار جامع عنوانات پر مشتمل اسباق رکھے گئے، ان کے آخر میں پھر سورۃ حدید رکھ دی گئی ہے جو گویا کہ پورے نصاب کا جامع ہے۔ اور اس طرح اعادہ ہے پورے مضامین کا جو تمام نصاب میں بیان ہوئے ہیں۔ نصاب کے انتخاب میں سورۃ الحدید کا انتخاب اسی حکمت کے پیشِ نظر ہے کہ اس سورۃ مبارکہ کے مطالعہ سے از سرِ نو تمام مضامین اور مباحث پر جو ہمارے منتخب نصاب میں بیان ہوتے ہیں، اعادہ ہو جاتا ہے اور اسباق پھر تازہ ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلۂ سُوَر میں سے چار سورتیں ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ سورہ حدید بھی، صف بھی، سورۃ جمعہ اور سورۃ تغابن بھی ـــــ سورۃ تغابن کا مطالعہ آج ہم کر رہے ہیں۔ سورۃ صف اور جمعہ ہم آگے پڑھیں گے ۔ اور ان شاء اللہ سورۃ حدید کے مطالعہ پر اس منتخب نصاب کا اختتام ہوگا۔

یہ سورۃ تغابن جس کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں ایمان کے مباحث اور موضوع پر انتہائی جامع سورت ہے ۔ اور مضامین کی اتنی منطقی ترتیب ایمان کی بحث میں شاید ہی کہیں نظر آئے جو اس سورۃ مبارکہ میں ملتی ہے ۔ اس سورۃ میں پہلے ایمانیات کی تعریف بیان کی گئی اور ان کو define کر دیا گیا کہ اساسی ایمانیات کیا ہیں؟ اور کون سے ہیں؟ پھر ان کو قبول کرنے کی دعوت دی گئی، بعد ازاں اس دعوت کو قبول کرنے اور ایمان لانے کے مضمرات کو کھول دیا گیا اور مقدرات بیان کر دیئے گئے اور یہ بات ظاہر کر دی گئی کہ اگر واقعتاً ایمان کسی صحیح الفطرت انسان کے قلب

میں جم جائے تو پھر اس کے اعضاء و جوارح کے اندر کیا تبدیلیاں رونما ہو جانی چاہئیں اور اس کی سوچ میں کیا تبدیلیاں واقع ہو جانی چاہئیں اس کے نقطۂ نظر میں کیا انقلاب آجانا چاہیئے۔ مال و اسباب دنیوی کے بارے میں اس کے رویّہ میں کیا تبدیلی ہو جانی چاہیئے علائق دنیوی کے بارے میں اس کی روش میں کیا تبدیلی آجانی چاہیئے۔ اگر انسان کے فکر میں اساسی ایمانیات رچ بس جائیں اور اس کا دل توحید، رسالت اور معاد پر ٹک جائے۔ ان امورِ ثلاثہ پر اس کے دل میں یقین والا ایمان پیدا ہو جائے تو ایسے انسان کی زندگی میں لازماً تبدیلی برپا ہونی چاہیئے ـــ ایک مؤمن صادق میں جو تبدیلیاں مطلوب ہیں وہ نہایت جامعیّت کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ میں بیان کر دی گئی ہیں کہ کن کن اعتبارات سے ایک مؤمن صادق کی فکر و نظر اور فعل و عمل میں انقلاب برپا ہو جانا چاہیئے ـــ۔

مجھے احساس ہے کہ تمہید خاصی طویل ہو گئی ہے، لیکن وہ بنیادی امور بیان کرنے ضروری تھے۔ جن کی روشنی میں انشاء اللہ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ آیئے اب اس سورۂ مبارکہ کا مطالعہ شروع کریں۔ فرمایا " یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ " تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے۔ آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔ اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ اس اللہ کی کہ لَہُ الْمُلْکُ، بادشاہی اسی کو سزاوار ہے۔ اور اسی ہی کے لئے ہے وَلَہُ الْحَمْدُ۔ اور سارا شکر و سپاس اور تمام حمد و ثنا کی مستحق بھی صرف اسی کی ذات ہے۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ " اور وہ ہر چیز پر قادر ہے "۔ آپ دیکھیں گے کہ ان تمام مسبّحات میں یہ آغاز کلام قدر مشترک ہے! ایسا ہی شاہانہ آغازِ کلام آپ کو ان تمام مسبّحات میں ملے گا۔ بڑا ہی پُر جلال اور پُر ہیبت اسلوبِ آغاز، ذہنوں کو متوجّہ کرنے کے لئے کہ جس کا کلام سن رہے ہو اور جس کا کلام پڑھ رہے ہو، پہلے اس صاحبِ کلام کی عظمت و جلالت سے قلوب پُر ہو جائیں ـــ ذہن یکسوئی کے ساتھ متوجّہ ہو جائے۔ انسان حضورِ قلب کے ساتھ بات سنے کہ کس سے ہم کلام ہو رہا ہوں، کون مجھ سے مخاطب ہے اور میں کس سے مخاطب ہوں۔ لہٰذا فرمایا:- یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ " اس اللہ کے ساتھ تم مخاطب ہو یا وہ اللہ تم سے اس وقت مخاطب ہے۔ اور وہ تم سے اس وقت کلام فرما رہا ہے کہ جس کی تسبیح میں ذرّہ ذرّہ لگا ہوا ہے۔ اور جس کی پاکی آسمان و زمین کی ہر چیز بیان کر رہی ہے۔ تسبیح کا مفہوم

کیا ہے؟ اس کو سمجھنا چاہیئے۔ تسبیح کا اصل مادہ (Root) "سبح" ہے۔ یعنی س، ب اور ح ہے۔ سَبَحَ یَسْبَحُ کے وزن پر آتا ہے جس کے معنی ہیں "تیرنا" پانی کی سطح پر اگر کوئی چیز تیر رہی ہو اور وہ اپنی سطح کو برقرار رکھے، گہرائی میں اتر نہ جائے، ڈوب نہ جائے، غرق نہ ہو جائے، ہتہ آب چلی نہ جائے، اس کو سَبَحَ یَسْبَحُ کہیں گے، وہ تیر رہا ہے۔ اسی طرح اگر فضا میں کوئی چیز تیزی کے ساتھ گزر جائے، جیسے آج کل ہمارے اسٹنک ہیں، راکٹ ہیں کہ وہ اپنی رفتار کی تیزی کی وجہ سے گرتے نہیں ہیں۔ ان کے لئے بھی یہی لفظ آئیگا۔ سَبَحَ یَسْبَحُ۔ چنانچہ تمام اجرامِ فلکی کے لئے قرآن مجید میں یہی لفظ آتے ہیں "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" یہ تمام اجرامِ سماویہ، یہ تمام بڑے بڑے کرّے، ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے لاتعداد کرّے جو فضا میں موجود ہیں، وہ تمام کے تمام اپنے اپنے مدار پر اس فضاءِ بسیط میں تیر رہے ہیں۔ ثلاثی مزید فیہ میں باب تفعیل سے یہ سَبَحَ یَسْبَحُ بنا "تَسْبِیْحٌ" اس میں متعدی کا مفہوم پیدا ہوا۔ اور اس کے معنی ہوئے "کسی چیز کو تیرانا۔ یا کسی چیز کو اس کی سطح پر برقرار رکھنا" کسی چیز کو اس کے مقام رفیع پر قائم رکھنا" تسبیح باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو جلالتِ شان ہے، اس کی جو اپنی عظمت ہے، اس کی جو اپنی رفعت ہے، اس کا جو مقام بلند و ارفع ہے۔ وہ جو ہر ضعف سے، ہر کوتاہی سے پاک ہے، وہ جو ہر نقص سے، ہر کمزوری سے منزّہ ہے، اعلیٰ ہے، ارفع ہے، اس کے مقام و مرتبہ کو برقرار رکھا جائے۔ اور اس کی ذات کے ساتھ کوئی ایسا تصوّر شامل نہ کیا جائے جو اس کی جلالتِ شان کے منافی ہو۔ یہ ہے تسبیح کا حقیقی مفہوم۔ اب غور کیجئے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ کیسے خدا کی تسبیح کر رہا ہے؟ ایک بات جو ادنیٰ تامّل سے سمجھ میں آجاتی ہے، وہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر ہر چیز اپنے وجود سے گواہی دے رہی ہے اور گویا خود اس کا وجود اس امر کی دلیل قطعی ہے کہ اس کا خالق اور صانع ایک ذات کامل ہے، جس کے علم میں کہیں کوئی کمی، جس کی حکمت میں کہیں کوئی نقص، جس کی قدرت میں نہ کہیں کوئی ضعف و کمزوری، وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ وہ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہے۔ وہ کمال حکمت والا "الحکیم" ہے۔ جس چیز پر بھی غور کرو گے جس چیز کی بھی خلقت پر تدبر کرو گے اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرو گے تو معلوم ہوگا کہ گویا وہ چیز زبانِ حال سے پکار پکار کے کہہ رہی ہے کہ مجھے پیدا کرنے والا، میرا خالق، میرا موجد، میرا مصوّر اپنی ذات و صفات میں اکمل اور احد ہے۔ یکتا ہے۔ اس کے علم میں، اس

کی قدرت میں، کہیں کوئی کمزوری، کوتاہی، نقص نہیں ہے ۔ وہ ذات ہر لحاظ سے ذاتِ کامل و ارفع و اعلیٰ ہے ۔ یہ ہے وہ تسبیح جو کائنات کا ذرّہ ذرّہ کر رہا ہے ۔ گویا اس اعتبار سے مضمون وہی ہوا جو ہم سورۃ آلِ عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیت میں پڑھ آئے ہیں کہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ط اس کائنات کی تخلیق اور اس کا نظام اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اس کا خالق و صانع اور موجد و مدبّر ایک واحد ہستی کامل ہے اور کائنات کا ہر ذرّہ اپنی جگہ پر ایک خود نشانی ہے ایک علامت ہے ایک SIGN اور SYMBOL ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے لئے بھی اور اس کی صفاتِ کمال کے لئے بھی، اس کے کمالِ علم و قدرت کے لئے بھی، اس کے کمالِ حکمت کے لئے بھی اور یہاں تک کہ اس کی توحید کے لئے بھی ۔ اس لئے کہ تھوڑے سے تفکّر و تدبّر ہی سے یہ بات انسان پر عیاں ہو جاتی ہے کہ اس بسیط کائنات میں کامل توافق (Harmoney) ہے ۔ تمام عناصر مل جل کر کام کر رہے ہیں ۔ یہاں ایک وحدت ہے ۔ یہ جو کثرت نظر آتی ہے تو جوں جوں انسان کی عقل ترقی کرتی ہے اور حکمت افزوں ہوتی ہے تو وہ اس کثرت کے پردے میں وحدت کا مشاہدہ کرتا چلا جاتا ہے اور یہ کثرتیں وحدت پر مجتمع ہوتی چلی جاتی ہیں اور ہر سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے نیز اپنی عقل کو استعمال کرنے والا انسان اس نتیجہ پر خود ہی پہنچ کر رہتا ہے ۔ اس تمام گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ کائنات کی ہر چیز ایک آیت ایک نشانی ہے اور یہی مفہوم یہاں بیان ہوا کہ گویا آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز، کائنات کا ہر ہر ذرّہ زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے ۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط اس سے آگے بڑھ کر بھی ایک مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے زبانِ قال بھی عطا کی ہو کہ جس سے وہ خدا کی تسبیح کرتی ہو ۔ قرآنِ مجید کے بعض مقامات سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ دوسری بات اور مفہوم بھی مبنی بر حقیقت ہے ۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل (اسراء) میں فرمایا گیا ہے " وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ " ہر شے اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ۔ وہاں صرف تسبیح کا ذکر ہے، یہاں معاملہ آگے بڑھ گیا ہے کہ یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ۔ تسبیح بھی کرتی ہے، تحمید بھی کرتی ہے ۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ۔ لہٰذا تسبیح حالی کا جو پہلو میں نے

وضاحت سے بیان کیا، وہ تو ہماری سمجھ میں آتا ہے اور یہ بات بلاتأمل ہمارے ذہن کی گرفت میں آجانے والی بات ہے، لیکن تسبیحِ قولی کا جہاں تک تعلق ہے تو خود قرآن مجید فرما رہا ہے کہ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ، کہ ہم اس قولی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ واقعتاً ہر چیز کی زبانِ قال بھی ہو جس سے وہ خدا کی تسبیح وتحمید اور تہلیل کر رہی ہو کہ جس کو ہم سمجھ نہ سکیں جیسا کہ حضرت داؤدؑ کے بارے میں قرآنِ مجید میں آیا ہے کہ ان کے ساتھ پہاڑ، حجر وشجر اور طیور بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرتے تھے۔ ہم آہنگ ہو جاتے تھے، تمام نغماتِ حمد جب اللہ تعالیٰ کے نبیؑ کے ساتھ خدا کی تسبیح وتحمید کرتے تھے اور پورا ماحول حمد باری تعالیٰ میں معروف ہو جاتا تھا۔ تو یہ تمام باتیں بالکل ممکن ہیں۔ موجودہ دور میں جو مادہ پرستانہ ذہن بن گیا ہے، اسے شاید اس میں کوئی استبعاد محسوس ہو لیکن حقیقتاً اس میں کوئی استبعاد موجود نہیں۔ آج خود انسان کا علم یہاں تک تو پہنچ چکا ہے کہ یہ تمام نباتات جاندار ہیں، ان میں جان ہے، ان میں حس ہے۔ کیا معلوم جمادات کی بھی کوئی حس ہو، جسے آج تک ہم تلاش نہ کر پائے ہوں، لیکن ہو سکتا ہے کہ جب ہمارا مادی علم مزید ترقی کرے تو اس بات کا بھی انکشاف ہو جائے کہ جمادات میں بھی حس موجود ہے ــــ فرمایا: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ یہ انتہائی شاہانہ آغازِ کلام بھی ہوا جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اور پھر یہ کہ ایمان باللہ کے لئے قرآن مجید کا جو اپنا اسلوبِ استدلال ہے، وہ پورے کا پورا ایک مختلف انداز اور پیرائے میں یہاں آگیا کہ اس کائنات کا ہر ہر ذرّہ مظہرِ ذاتِ باری تعالیٰ اور مظہرِ صفاتِ باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا کائنات کی ہر چیز خدا کی ایک نشانی اور آیت ہے اور گویا کائنات کی ہر چیز پکار پکار کر اپنی زبانِ حال سے تسبیح و تحمیدِ باری تعالیٰ میں مصروف ہے۔ آگے فرمایا: لَهُ الْمُلْكُ 'بادشاہی اسی کے لئے ہے۔ یہ جو ایک حرف لام (لِ) جار ہے۔ اس کے عربی زبان میں بہت سے معانی آتے ہیں، لام تملیک بھی ہوتا ہے، لام استحقاق بھی ہے، لام عاقبت بھی ہے، لام غایت وسبب بھی ہے، لام تاکید بھی ہے۔ غرض کہ اس حرف جار (لام) کے لئے بے شمار مفاہیم اور معانی ہوتے ہیں۔ اس کے کم از کم اس مقام پر دو مفہوم ہیں، لام تملیک بھی اور لام استحقاق بھی۔ بادشاہ فی الواقع بھی وہی ہے اور بادشاہی کا حق بھی صرف اسی کا ہے۔ De facto بھی وہی بادشاہ ہے اور De jure بھی اسی کی بادشاہی کا سکہ رواں ہے، اس پوری کائنات پر اسی کے حکم کا سکہ چل رہا ہے۔ اسی کے قانونِ تکوینی میں کائنات کا ذرّہ ذرّہ جکڑا ہوا ہے۔ یہ انسان

یہ ایک معمولی اور حقیر مخلوق ۔ ذرا اس پورا کائنات کی بساط کی وسعتوں کو ذہن میں رکھ کر سوچ کہ اس کی حیثیت کیا ہے ! اس انسان کو زندگی کے بڑے ہی محدود گوشے میں اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیار عطا فرمایا اور یہ حضرتِ انسان ہلدی کی گانٹھ کو لے کر پنساری بن بیٹھا ہے ۔ ورنہ آپ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ خود اس کے اپنے وجود پر خدا کی بادشاہی کا سکہ رواں ۔ وہ خود اپنے وجود پر بھی حاکم نہیں ہے ۔ اس کو خود اپنے دل پر کوئی اختیار نہیں ہے کہ جب چاہے اس کی حرکت روک دے یا اسے چلادے ۔ اپنے معدے کی حرکت و فعل پر کوئی اختیار نہیں ۔ مجبور محض ہے ۔ اس کا پورا وجود اسی قانونِ طبعی میں جکڑا ہوا ہے جو خدا نے بنادیا ہے ۔ ایک بڑا ہی محدود سا دائرہ ہے کہ جس میں کچھ اختیار اس کو حاصل ہے ۔ اس کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس بات پر بھی قادر نہیں کہ اپنے جسم پر ایک بال کو بھی اُگنے سے روک دے ۔ یا اس بال کے اُگنے کی رفتار کو اپنے حسبِ منشأ زیادہ یا کم کردے ۔ بس معلوم ہوا کہ انسان مجبورِ محض ہے ، صرف ہماری اخلاقی زندگی کا جو پہلو اور دائرہ ہے اس میں ہمیں کچھ اختیار حاصل ہے اور اسی محدود اختیار کی وجہ سے ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں ، کوئی پوچھنے والا نہیں ۔ یہی سبب کہ کوئی فرعون بن گیا ۔ کوئی قارون بن گیا ، کوئی ہامان بن گیا اور کوئی نمرود و شداد بن گیا تو یہ صرف فریبِ نفس ہے حقیقت یہ ہے کہ بادشاہی سزاوار بھی اسی اللہ کو ہے اور بادشاہی بالفعل اسی کی جاری و ساری اور قائم ہے ۔ پھر فرمایا وَلَـهُ الْحَمْدُ اور سارا شکر و سپاس ، ساری ثنا اور ساری تعریف بھی اسی کے لئے ہے ۔ لفظ حمد کی مفصل شرح میں پچھلے درسوں میں ضمناً کرچکا ہوں ۔ اس موقعہ پر بطور اعادہ اختصار کے ساتھ کچھ عرض کردوں گا اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ سورۂ تغابن کے درس میں پچھلے اب تک کے اسباق کا ایک طرح اعادہ بھی ہے ۔ چنانچہ بعض وہی مضامین ایک دوسرے اسلوب سے آپ کے سامنے آئیں گے جو سابقہ درسوں میں آچکے ہیں ۔ لہٰذا بطور تذکیر اس لفظ حمد کو پھر سمجھئے کہ اس کا اصل معنی اور جڑ " شکر " ہے ۔ پھر شکر سے وسیع ہوکر اس میں ثنا اور تعریف کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے اور تمام مفاہیم و معانی پر یہ لفظ حمد حاوی ہو جاتا ہے ۔ جیسا کہ میں پچھلے درسوں میں اور ابھی ابھی بیان کرچکا ہوں کہ اس لفظ کی اصل جڑ شکر ہے ۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی مقام شکر ہوتا ہے وہاں یہی لفظِ حمد استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا

ﷺ اور یہ تمام مقامات شکر ہیں۔ اسی طرح ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان میں تمام شکر کے مواقع پر یہی لفظ حمد نظر آئے گا۔ مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ ۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۔ ان سب کا ترجمہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اب وقت نہیں ہے کہ ان کا اعادہ کیا جائے۔ اس وقت صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حمد کے لفظ کی اصل جڑ شکر ہے۔ شکر و سپاس اور تعریف و ثناء کے درمیان جو ایک باریک سا فرق ہے، اس کو بھی سمجھ لیجئے۔ انسان شکر کسی ایسی چیز پر کرتا ہے کہ جس کا کوئی محسوس فائدہ خود اسے پہنچا ہو۔ اور تعریف کسی بھی خوبی کی کی جائے گی، کسی بھی کمال کی کی جائے گی، چاہے اس کا کوئی فائدہ محسوس انسان کو نہ پہنچ رہا ہو۔ ایک پھول ہے، بہت خوبصورت! اس میں رنگوں کی بڑی عمدہ آمیزش ہے۔ بو بڑی عمدہ ہے، خوشبو بڑی ہی اعلیٰ ہے۔ آپ تعریف کریں گے اور یہ صرف تعریف کا پہلو ہوگا۔ لیکن جب آپ نے پانی کا ایک گھونٹ پیا اور آپ کی تشنگی دور ہوئی اور سیری کا احساس ہوا اور طبیعت کو ایک سیرابی اور شگفتگی محسوس ہوئی، اس وقت آپ کی زبان سے جو کلمات ادا ہوں گے اور آپ کے قلب کی جو کیفیات ہوں گی تو وہ کلمات شکر ہوں گے اور کیفیات شکر ہوں گی۔ لیکن ذرا باریک سی بات ہے۔ ذرا غور کیجئے۔ یہ درحقیقت انسان کے اپنے احساسات کی گہرائی پر اور اس کے اپنے شعور و ادراک کی لطافت پر مبنی ہے۔ انسان درحقیقت کسی پھول کو دیکھ کر بھی کچھ حاصل کرتا ہے۔ اس سے حظ اٹھاتا ہے۔ صرف وہ لوگ جن کے احساسات کند ہو گئے ہوں، اس سے انبساط حاصل نہیں کر پاتے۔ لیکن ایک اچھا منظر نگاہوں کے سامنے آئے تو اس سے بھی ایک انسان کو روحانی طور پر اور نفسیاتی طور پر فی الواقع کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا ہے۔ یہاں آ کر درحقیقت حمد و شکر اور تعریف و ثناء سب مل جل جاتے ہیں اور لفظ حمد کے اندر یہ تمام پہلو آجاتے ہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ انسان اپنے گردوپیش اور اپنے ماحول کی ہر چیز سے کچھ نہ کچھ استفادہ کرتا ہے۔ یہ صرف اس کے احساسات اور ادراکات کے کند ہو جانے کا معاملہ ہے کہ وہ خیال کرے کہ مجھے اس چیز سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا۔ ہر چہار اطراف سے وہ ربوبیت خداوندی سے بہرہ مند ہو رہا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔ اب یہاں ہمارے لئے جو سمجھنے اور یاد رکھنے کی بات ہے، وہ یہ ہے کہ ایک بندہ رب جب جان لے اور پہچان لے کہ تمام اسباب و وسائل کے پردہ میں درحقیقت منعم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

محسن حقیقی صرف اللہ ہے۔ ربوبیت حقیقت میں اسی کی ہے۔ مُربّی حقیقی وہی ہے مسبّب الاسباب صرف وہی ہے تو وہ بے اختیار پکار اٹھے گا کہ لَہُ الْحَمْدُ ۔۔۔ جہاں کہیں خوبی ہے، حسن ہے، کمال ہے، کسی بھی اعتبار سے کوئی قابلِ تعریف پہلو ہے تو درحقیقت تعریف اس چیز کی نہیں ہوگی بلکہ اس کے صانع کی ہوگی، مُوجِد کی ہوگی، مُصوّر کی ہوگی، خالق کی ہوگی۔ تعریف کے قابل مصنوع نہیں ہے صانع ہے، تصویر نہیں ہے، مصوّر ہے۔ کمال اس کا ہے اگر کسی تصویر میں حسن ہے، رنگوں کا صحیح امتزاج ہے، منظر کی حقیقی نقشہ کشی ہے تو یہ کمال و خوبی تصویر کی نہیں بلکہ مصوّر کی ہے جس کے کمال کا ظہور اس تصویر میں ہو رہا ہے۔ لہٰذا قابلِ تعریف مصوّر ہوا نہ کہ تصویر۔ اسی طرح سے اس کائنات میں جہاں کہیں بھی کوئی حسن ہے، خوبی ہے وہ مردِ مومن کے نزدیک باری تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہے۔ لہٰذا اس کی زبان سے الفاظ نکلنے چاہئیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ سبحان اللہ ۔۔۔ ایک محجوب اور ایک عارف انسان کے مابین فرق یہی ہے۔ کسی حسن کو، کسی خوبی کو دیکھ کر اور کسی مظہرِ کمال کو دیکھ کر ایک محجوب انسان اسی کی تعریف کرنے لگے گا اور ایک بندۂ عارف جس نے حقیقت کو پہچان لیا ہے، اس کی زبان سے الفاظ نکلیں گے۔ سبحان اللہ! کہیں سے کوئی چیز حاصل ہوگئی، کسی سے کوئی چیز میسّر آگئی، کوئی حاجت پوری ہوگئی، کوئی مشکل حل ہوگئی، کوئی پریشانی دور ہوگئی، کوئی تکلیف جاتی رہی اور دکھ رفع ہوگیا، کوئی مسرّت نصیب ہوئی، کوئی نعمت حاصل ہوئی، کوئی محنت سپھل ہوئی تو ایک بندۂ مومن و عارف کے قلب کی گہرائیوں سے اُبھر کر جو کلمہ زبان پہ آئے گا وہ ہوگا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، سارا شکر و سپاس اور تعریف و ثنا اللہ کے لئے ہے۔ لیکن وہ انسان جو محجوب ہے جو پردہ میں آگیا ہے" اوٹ میں آگیا ہے۔ حقائق سے جو دور ہٹ گیا ہے جو علّت و معلول اور اسباب و حالات کے گورکھ دھندے میں الجھ گیا ہے اس کے احساسات و ادراکات میں انہی اسباب و علل کی عظمت قائم ہوگی اور وہ منعمِ حقیقی کی معرفت سے یکسر محروم رہے گا۔۔۔۔

اب اس آیت کا اختتام اس حقیقت پر ہوا کہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فرمایا کہ چوتھی بات یہ سمجھ لو کہ وہ ذات ستودہ صفات کوئی عاجز خدا نہیں ہے۔ وہ کوئی درماندہ ہستی نہیں ہے بلکہ وہ ہر چیز پہ قادر ہے اور اس کی قدرت ہر اعتبار سے اکمل ہے اور اس بات کی گواہی اسی کائنات میں موجود ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ اس کی پہنائیوں کا کوئی تصوّر ممکن ہے! بڑی سے بڑی دوربین بلکہ آسٹمک ٹیلسکوپ (Austmic Telescope)

بھی ایجاد کرکے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کائنات کہاں سے شروع ہوئی ہے اور کہاں ختم ہوئی۔ جوں جوں ہمارے ذرائع ترقی کرتے چلے جارہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی وسعتیں توں توں بڑھتی چلی جارہی ہیں۔ آج سے ایک صدی قبل پہلے شاید انسان یہ سمجھتا ہو کہ آسمان چار پانچ میل کے فاصلے پر ہو۔ شاید اس فاصلہ پر یہ نیلی چادر تنی ہوگی۔ جوں جوں ہمارے علم کے ذرائع بڑھے توں توں انکشاف ہوا کہ اندازہ ہی ممکن نہیں۔ سارے نیومیریکل ختم ہوجائیں گے، نئے نیومیریکلز ایجاد کئے جائیں گے اور وہ بھی ختم ہوجائیں گے۔ پھر کوئی اور طریقہ اس وسعت کو اپنے ذہن کی گرفت میں لانے کے لئے ایجاد و اختراع کریں گے۔ لیکن وہ بھی ختم ہوجائیں گے اور اس کائنات کی وسعتوں کا ناپنا پھر بھی ممکن نہیں ہوگا۔ تو اس عظیم کائنات کے خالق، اس کے موجد، اس کے صانع، اس کے مدبر کی قدرت کا کوئی تصور ہمارے لئے ممکن ہے! نہیں ہرگز ہرگز نہیں۔ قطعاً کوئی تصور ممکن نہیں سورۂ ملک میں اللہ تعالیٰ رب العزت نے اس کائنات کے بارے میں فرمایا "اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ○ (وہ اللہ ہی ہے) جس نے سات آسمان اوپر تلے تخلیق کئے۔ تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل اور نقص نہیں دیکھے گا۔ بس تو (دوبارہ) پھر نظر ڈال۔ دیکھ لے کیا کہیں کوئی نقص نظر آتا ہے۔ پھر بہ تأمل اور غور سے نگاہ کر، پھر نظر ڈال آخر کار نگاہ ذلیل اور درماندہ ہوکر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ یعنی بلا تأمل اور بلا غور و فکر تو آسمان کو بہت سی دفعہ دیکھا ہوگا۔ اب تأمل اور غور و فکر کے ساتھ کائنات کا مشاہدہ کرو اور اس میں کوئی خلل اور نقص تلاش کرو۔ اس کی وسعتوں اور پہنائیوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کرو۔ جتنا سوچو گے، تمہاری سوچ تھک کر رہ جائے گی، تمہاری قوت متخیلہ جواب دے جائے گی۔ لیکن اس کائنات کی عظمت و رفعت کا کوئی تصور تمہارے لئے ممکن نہیں ہوگا تو پھر اس عظیم و بسیط کائنات کے خالق کی قدرت کا کیا تصور کرسکو گے۔ اسی مضمون کو سورۂ قٓ میں ایک دوسرے انداز اور اسلوب سے بیان فرمایا:

وہاں فرمایا: اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ○ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر

کیسا ہم نے اس کو بنایا ہے اور اس کو رونق و زینت دی اور اس میں کوئی سوراخ نہیں ہے اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے ہیں اس میں بوجھ اور اگائی اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز ۔ سجھانے اور یاددہانی کو اس بندے کے لئے جو رجوع کرے ۔ یعنی یہ آسمان اور زمین، یہ چاند اور سورج اور ستارے جو آسمان کی زینت ہیں اور یہ جمادات جو لنگر بنے کرۂ ارض کو سنبھالے ہوئے ہیں اور یہ نباتات جس سے کھیت اور باغات میں آنکھوں کو فرحت بخشنے والا سبزہ لہراتا ہے ۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے، راہِ حق کے جویا معرفت پروردگار کے متلاشی انسان کے لئے ایک نشانی اور یاددہانی ہے ۔ پس حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات ستودہ صفات کا کوئی تصوّر انسان کے لئے ممکن ہی نہیں ۔ پس اس کے لئے صرف ایک جائے پناہ ہے اور وہ ایک لفظ ہے جس میں ہم کو پناہ مل سکتی ہے ۔ اس مضمون کو خوب غور اور دھیان سے سنئے ۔ ہمارے لئے پناہ گاہ لفظ "کُل" ہے ۔ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ہے ۔ اس کے سوا ہمارے لئے کہیں پناہ نہیں ۔ اسی لفظ "کُل" ہی میں پناہ مل سکتی ہے ۔ اور ہمیں یہی کہنا زیبا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اس کی حکمت ہر چیز کو محیط ہے ہر خیر اس کے ہاتھ میں ہے ۔ اس "ہر" اور "کُل" کے اندر ہے جو کچھ پناہ کا امکان ہے ۔ اس لئے کہ اس کی کمیّت کا کوئی اندازہ کرنا اس کی ۔ Quantity کا کوئی تصوّر کرنا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں ۔ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ اب اس لفظ "کُل" کا تصوّر، ظاہر بات ہے کہ ہر شخص کے اپنے ذہن کے ظرف کے مطابق قائم ہوگا ۔ کسی بیچارے کا ظرفِ ذہنی ہی بڑا تنگ ہے ۔ وہ دیہاتی جو پٹواری ہی کو اصل حاکم اور بادشاہ سمجھتا ہے اور سپاہی ہی اس کے لئے اصل قوّت اور حکومت ہے ۔ اس کا لفظ "کُل" بھی بڑا ہی چھوٹا ہوگا ۔ اس کے بالمقابل وہ سائنسدان جو اٹیمک ٹیلسکوپ کے ایک کنارے بیٹھا ہوا کائنات کا مشاہدہ کر رہا ہے، اس کا وہ لفظ "کُل" اسی مناسبت سے بڑا ہو گیا ہے ۔ باقی رہا یہ کہ ہر شخص کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ اسی لفظ "کُل" کے دامن میں پناہ لے ۔ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ یہ ایک آیت ہے جس کا ہم نے مطالعہ کیا ہے، اس آیت کے چار اجزاء، چار حصّے ہیں ۔ بلکہ اس کو یوں سمجھئے کہ ایمان باللہ کا استدلال بھی اس میں ہے ۔ توحید باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ کا جو تصوّر ہمارے ذہن کی گرفت میں بھی آ سکتا ہے، وہ بھی بیان کر دیا گیا اور آخر میں ہمارے ذہن کی محدودیت کے لئے ایک پناہ گاہ بھی ہمیں دے دی گئی ۔ اب دوسرا

آیت پڑھئے۔ فرمایا: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ـــ وہی ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا۔ اب یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ جہاں تک خدا کے خالق ہونے کا تعلق ہے، یہ مضمون بھی پہلے بیان ہو چکا ہے، اس کا بھی اعادہ ہو رہا ہے۔ اور اس کائنات کے تنہا خالق ہونے کا معاملہ ہے تو مذہب کی دنیا میں اس بارے میں کبھی اختلاف نہیں رہا ہے۔ شرک جتنا ہوا ہے وہ ربوبیت کی سطح پر ہوا ہے، الوہیت کی سطح پر ہوا ہے، خالقیت کی سطح پر نہیں ہوا۔ سب نے مانا کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا تو ایک ہی ہے۔ مہادیو کہہ لو، کیپٹل جی (G) والا God کہہ لو، یا جس کو یہ اہل عرب اللہ کہتے تھے، لیکن اس کو ہمیشہ ایک ہی مانا گیا، لہٰذا ان کے اس اقرار کو بنیاد بنا کر کہا جا رہا ہے کہ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ۔ اس بارے میں تو تمہیں بھی انکار نہیں۔ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں، وہی ذات ہے کہ جس نے سب کو پیدا کیا۔ پھر فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط تو اب تعجب انگیز بات یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اس کا انکار کرنے والا ہے اور تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس کو مانتا ہے۔ یہاں اسلوب بیان میں منکرین کی شتر گربگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ کس قدر احمقانہ معاملہ ہے کہ یہ بات سب ہی مانتے ہیں کہ پیدا کرنے والا خدا ہی ہے اور پھر بھی کوئی اس کا انکار کر رہا ہے، اس سے منکر ہو رہا ہے۔ اس کی اطاعت سے روگردانی کر رہا ہے، اس کی مرضی کے مقابلہ میں اپنی مرضی کو لے کر آ رہا ہے۔ اس کی پسند کے آگے اپنی پسند کو لا کھڑا کر رہا ہے۔ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط اس اسلوب سے اس عجیب صورتحال کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ پھر متنبہ کیا گیا کہ یہ صورت حال بلا نتیجہ نہیں رہے گی۔ لہٰذا فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ یہاں اس لفظ "دیکھ رہا ہے" میں بڑی دھمکی اور تہدید کا انداز ہے۔ یہ نہیں کہ مجرّد دیکھ رہا ہے۔ سیر کرنے کے لئے نہیں دیکھ رہا۔ دیکھنا اس کی کوئی Hobby نہیں ہے۔ دیکھ رہا ہے بایں معنیٰ، جیسے آپ اپنے کسی بچّے کو شرارت کرتے دیکھ کر یا وہ کام دیکھ کر جس سے آپ نے اسے منع کر رکھا ہو، اس سے کہتے ہیں کہ ہم دیکھ رہے ہیں: "ہماری نگاہوں میں ہو تم" ـــ یہ تہدید کا انداز ہے۔ ان الفاظ میں کہ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ جو کچھ کر رہے ہو، یہ نہ سمجھنا کہ وہ کسی کی نگاہ میں نہیں اور یہ اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔ وہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا اتنا بڑا اہتمام کیا۔ جس نے یہ عظیم کائنات تخلیق کی تو اب وہ اس تخلیق کے بعد غافل نہیں ہو گیا بلکہ ہر چیز اس کی نگاہوں میں ہے۔ اور وہ تمہارے ہر عمل کی نگرانی کر رہا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ط

(جاری ہے)